روايتي مولوي اور دور جديد

کے تقاضے

فداللہ

فہرست

میڈیکل اور فوڈ سائنسز

روایتی علماء کی اپروچ ہی کیا ہے؟ صدیوں پرانے تعلیمی نصاب اور قدیم فقہی لٹریچر پر فوکس کرنے والے علماء بھلا دورِ جدید کے تقاضوں کو کیا جانیں؟ آج کی دنیا فکر و عمل کے میدانوں میں ایک نئی دنیا ہے. سیاست و معیشت اور سائنس و ٹیکنالوجی نے آج تمام شعبہ ہائے زندگی میں انقلاب بپا کیا ہوا ہے۔ ان انقلابات کی کوکھ سے علم و دانش اور تحقیق و تفکیر کی دنیا میں جو چیلنج پھوٹ نکلے ہیں، اس کا حل روایتی علماء اور قدیم فقہ کے بس کا روگ نہیں ۔ اس کیلیے جدید علوم وفنون کی روشنی میں قرآن وسنت میں از سرِ نو غور کرنے کی ضرورت ہے.یوں بھی اصل فقہ قرآن وسنت ہے.پرانی فقہ بنیادی طورپر باہمی نِزاعات اور مناظروں پر مشتمل ہے۔ لہذا دورِ جدید کے فکری اور فقہی مباحث کے حل کیلیے "گلوبل فقہ" کو لانچ کرنا وقت کی اشد ضرورت ہے۔

یہ ہے وہ موقف جسے ہمارا جدت پسند طبقہ کافی عرصہ سے بڑے زور شور سے دہرا رہا ہے، اور نئی نسل کو اپنی روایت سے دور کرنے کی ایڑھی چوٹی زور لگانے میں مصروف عمل ہے۔ اس تحریر میں ہم دورِ حاضر میں علم و تحقیق کے میدانوں میں روایتی علمائے کرام کے خدمات کا جائزہ لیں گے، ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ دور حاضر کے مذکورہ چیلنج کو سر کرنے والے حضرات روایتی علمائے کرام ہیں یا جدت پسند دانشور؟ نیز ضمنی طور سے یہ جاننے کی

کوشش بھی کریں گے کہ قدیم فقہ آج کے سوسائٹی کے مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہے یا نہیں؟

آگے بڑھنے سے پہلے تمہید کے طور پر یہ بات واضح رہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے فکری اور عملی انقلابات نے جو بڑے بڑے میدان پیدا کیے ہیں، وہ چار ہیں:

1: قانون

2: سیاست

3: معیشت

4: طب

اِن کے علاوہ بھی متعدد مجالات ہیں، تاہم شرعی نقطۂ نظر سے بحث و تحقیق کے اعتبار سے مذکورہ مجالات سرِ فہرست ہیں۔ لہذا آگے اِنہی میادین کے اُن مباحث و مسائل کا جائزہ لیں گے، جو شرعی لحاظ سے تشنۂ تحقیق ہیں؛ نیز اِن مجالات میں علمائے کرام کی تحقیقی کاوشوں پر گفتگو کریں گے۔

اِس قسط میں میڈیکل اور فوڈ سائنسز کے مسائل پر گفتگو ہوگی۔ میڈیکل کے میدان میں بے تحاشا مسائل ہیں، جن پر تحقیق کی اشد ضرورت ہے، اِن مسائل کا اِجمالی تذکرہ ابھی کیا جائے گا۔ البتہ یہاں دو مسئلے دلچسپی کیلیے شروع میں عرض کیے دیتا ہوں، جن سے اندازہ ہوجائے گا کہ پرانی فقہ کیا چیز ہے اور علمائے کرام جدید دور میں اِس سے کیا کچھ اَخذ کررہے ہیں؟

گزشتہ نصف صدی یا اِس سے زیادہ عرصہ سے دماغی موت (Brain death) کا مسئلہ پوری دنیا کیلیے ایک معمّا بنا ہوا ہے۔ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں اِس پر کافی تحقیقات ہو چکی ہیں،

ہارورڈ کی ایڈہاک کمیٹی، یوکے (UK) کے متعدد اداروں اور مینیسوٹا یونیورسٹی کی تحقیقات اِس حوالہ سے معروف ہیں۔ دو تین مرتبہ امریکہ میں صدارتی کمیشن بھی اس مسئلہ کیلیے تشکیل پا چکا ہے۔

اس مسئلہ پر کسی وقت الگ سے لکھنے کا ارادہ ہے، انشاء اللہ ! فی الحال اتنا سمجھ لیں کہ کومہ کی حالت میں اگر مریض کا برین سسٹم ناکارہ ہو جائے، تو یہ مریض ہمیشہ کیلیے احساس و شعور سے محروم ہو جاتا ہے، اور بس وینٹی لیٹر کے ذریعہ بستر پر بے خود پڑا رہتا ہے۔ اب سوال یہ سامنے آیا کہ ایسے مریض کا علاج جو کہ قطعاً مفید نہیں، جاری رکھا جائے گا یا اسے مردہ تصوّر کیا جائے گا؟ مردہ تصوّر کیے جانے کے بعد اِس کی میراث، عدت اور وصیت وغیرہ کے اَحکام جاری ہوں گے۔ چونکہ میڈیکل سائنس میں موت و حیات کا واضح تصور موجود نہیں، کیونکہ یہاں روح کا کوئی تصور نہیں؛ اس لیے اس مسئلے میں موت وحیات کا فیصلہ کرنا بہت دُشوار ہے۔ امریکہ میں ایسے مریض کو تحقیقات کے بعد مردہ قرار دیا گیا تھا، اور باقاعدہ اس مسئلہ کو لیگلائز کیا گیا تھا، تاہم بعد میں جدید انکشافات نے نیا معمّا کھڑا کیا اور اب بائیو ایتھکس کی طرف سے اسے شدید تنقید کا سامنا ہے، کہ ایک معصوم اور زندہ انسان کو کیوں مردہ تصور کیا جاتا ہے اور کیسے اس مفروضہ پر اس کے اعضاء نکال کر دوسروں کو ڈونیٹ کیے جاتے ہیں؟ بہر حال یہ تفصیلی موضوع ہے، یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ اس کے برعکس قدیم فقہائے کرام نے موت وحیات کے واضح اَحکامات متعین کر دئیے ہیں، موت و حیات کے معیارات متعین کرنے کے ساتھ ساتھ بہت سارے متعلقہ جزئیات کو بھی بیان کیا ہے۔ انہی تفصیلات کی بنیاد پر فقہی اکیڈمیوں نے اس

مسئلہ کا حل اُمت کے سامنے رکھ دیا ہے جو "مجمع الفقہ الاسلامی جدہ" نے قرار کے طور پر شائع کیا ہے۔

ایک دوسرا مسئلہ جو استاد محترم شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مد ظلہم نے تقریر ترمذی میں ذکر کیا ہے، بڑا دلچسپ ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ایک دفعہ کویت میں علمائے کرام کی ایک مجلس سامنے یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ اگر حد یا قصاص میں کسی مجرم کا کوئی عضو کاٹا جائے تو آج کل چونکہ سرجری بہت ترقی کر چکی ہے، لہذا اس کٹے ہوئے عضو مثلا کان کو دوبارہ جڑوانے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

حضرت فرماتے ہیں کہ میرا خیال تھا کہ یہ مسئلہ فقہائے کرام نے ذکر نہیں کیا ہوگا، کیونکہ ظاہر ہے کہ قدیم زمانے میں سرجری کا یہ تصور موجود نہیں تھا، لیکن فرمایا کہ جب میں نے فقہاء کی کتابیں دیکھیں تو حیرت ہوئی کہ تقریباً تمام فقہاء نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے، اور امام مالک، امام محمد وغیرہ رحمھم اللہ حضرات نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اسے قصاصا کٹے ہوئے عضو کے آپریشن کے ذریعہ جڑوانے کی اجازت دی جائے گی۔ لیکن فرمایا کہ حد میں کٹے ہوئے ہاتھ یا پیر کا مسئلہ فقہاء نے ذکر نہیں کیا ہے، بظاہر وجہ یہی ہے کہ فقہاء نے اسے آپریشن کے ذریعہ جڑنے کے عمل کو ناممکن تصور کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ اطباء سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ آج سرجری کی تمام تر ترقی کے باوجود کٹے ہوئے ہاتھ یا پیر کو جڑوانا یا تو ممکن نہیں، یا اگر جڑ بھی جائے تو اس میں زندگی باقی نہیں رہتی۔ اس لیے "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" (Encyclopedia Britannica) میں لکھا ہے کہ یہ طریقہ مہنگا ہونے کے ساتھ غیر مفید بھی ہے، اور اس کے بدلہ پلاسٹک کا ہاتھ سستا بھی ہے اور مفید بھی۔ اِن مثالوں سے قدیم فقہ کی وسعت اور جامعیت کا اندازہ لگانا آسان ہے۔

میڈیکل سائنس کے جدید مسائل جو فقہی نقطۂ نظر سے تشنۂ تحقیق ہیں، ان میں بائیو ٹیکنالوجی اور بائیو انجنئیرنگ سر فہرست ہیں۔ جس میں بالخصوص جین تھراپی کا مسئلہ بہت نازک ہے۔ آج ڈی این اے میں تبدیلی کے ذریعہ منتخب جین (selective gene) تیار کیے جاتے ہیں، جس سے غذا وغیرہ کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں، جی ایم فوڈ (genetically modified foods) کا مسئلہ اس حوالہ سے اہم ہے۔ اسی قبیل سے کلوننگ، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، اور دیگر مسائل قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ کوسمیٹک سرجری کا ایک میدان ہے، ان میں کونسی صورتیں جائز ہیں کونسی ناجائز؟

فوڈ سائنس کے مسائل براہ راست بائیو کیمسٹری، آرگینک کیمسٹری وغیرہ سے متعلق ہیں، ہائیڈروکاربنز (Hydrocarbon) کی پوری دنیا ہے، اس میں کونسے مرکبات اور الکوحل شراب کے زمرے میں آتے ہیں اور کونسے نہیں؟ بالخصوص ایتھائل الکوحل اور دیگر گروپس کی کیا فقہی حیثیت ہے؟ پھر اسی بنیاد پر ادویہ سازی میں ان شرابوں کا کیا حکم ہوگا؟ حضرات فقہائے کرام نے اِن مسائل کیلیے ضابطے مقرر کیے ہیں، انہی ضابطوں کی روشنی میں مذکورہ مسائل دارالافتاوں میں زیر تحقیق ہیں۔ ان موضوعات پر متعدد عمدہ مقالے شائع ہو چکے ہیں، جن میں مفتی عبد الواحد صاحب، مولانا سرفراز صاحب اور مفتی عابد علی شاہ صاحب وغیرھم حضرات کے مقالے اور تحقیقات منظر عام پر آچکی ہیں۔

یہ تحقیقات باقاعدہ عملی دنیا میں رو بعمل لائی جاچکی ہیں، بالخصوص حلال فوڈ انڈسٹری اس وقت گلوبل انڈسٹری کے طور پر پوری دنیا میں سرگرم عمل ہے، بڑے بڑے معیاری طبی ادارے، ہسپتال، ریسٹورنٹ اور فاریسیوٹیکلز کے ادارے شریعت بورڈ تشکیل دے چکے ہیں، جن میں

معیارات سازی(Standardisation)اور متعدد امور زیر غور لائے جاتے ہیں، یہ سارا کام روایتی علمائے کرام قدیم فقہ کی روشنی میں سرانجام دے رہے ہیں۔
تفصیلی کام کا جائزہ آخر میں پیش کیا جائے گا اور مفید لنک بھی دئیے جائیں گے۔

معیشت و تجارت

معیشت و تجارت میں سب سے پہلا اور بنیادی چیلنج یہ تھا کہ دورِجدید کے مروجہ نظام ہائے معیشت یعنی سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے، اُس کے بعد اسلام کے معاشی نظام کے ساتھ اِس کا تقابلی جائزہ لیا جائے، پھر اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات اور مِیزات واضح کی جائیں، نیز دورِ حاضر میں مروَّجہ طریقہ ہائے تجارت و معیشت میں اسلامی نظام معیشت کی تطبیق و اِجراء کے مفصل طریقوں پر کام کیا جائے۔ مثلا: بینکنگ، اِنشورنس، تجارتی اور دیگر مالیاتی اداروں میں اسلامی طریقہ ہائے تمویل کیلیے عملی صورتیں ڈیزائن کی جائیں۔

اسلامی ریاستوں کے مرکزی بینکوں کیلیے سودی نظام کے متبادل کے طور پر جامع غیر سودی نظام کا ڈھانچہ پیش کیا جائے، نیز ملکی معیشت کے ساتھ ساتھ انٹرنیشنل ٹریڈ میں مسلم ریاستوں اور تُجّار کو درپیش مسائل کا حل پیش کیا جائے۔

اس حوالہ سے فقہ اسلامی کی وسعتوں اور علمائے کرام کی خدمات اور تحقیقات پر گفتگو سے پہلے ایک دل چسپ مثال ملاحظہ کرتے جائیں۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ سے اصول الافتاء پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، ایک دفعہ جدید مسائل کی تحقیق پر گفتگو کے ضمن میں اپنی ایک تحقیق کا ذکر فرمایا۔ فرمایا کہ ایک دن شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے مجھ سے کہا کہ ان دنوں لمیٹڈ کمپنی کی فقہی حیثیت پر عالمی فقہ اکیڈمی میں بحث و تمحیص جاری ہے، آپ ذرا اِس مسئلہ پر غور فرمائیں، کل ملائشیا میں ایک مجلس میں اِس پر گفتگو

ہوگی۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں دن بھر مصروف رہا، رات کو گھر آیا تو تصور میں "ہدایہ" کھول کر ایک ایک باب پر غور کرتا گیا کہ فقہاء کے ذکر کردہ مسائل میں یہ مسئلہ کونسے مسئلہ کے تحت آسکتا ہے؟

فرمایا کہ جب "کتاب الاِباق" یعنی جہاں فقہائے کرام نے غلاموں کے مسائل ذکر کیے ہیں، وہاں پہنچا تو "عبدٌ ماذونٌ لہ فی التجارہ" پر نظر پڑگئی۔ جب میں نے غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ عبد ماذون لہ فی التجارہ لمیٹڈ کمپنی کی نظیر ہے۔

اس مثال کی تفہیم کیلیے مختصراًیہ سمجھیے کہ آج کل مروجہ لمیٹڈ کمپنیوں کا تصور یہ ہے کہ اگر کمپنی قرضوں میں ڈوب کر دیوالیہ ہوجائے، تو قرض خواہ صرف کمپنی کی قیمت کی حد تک اپنے قرضوں کا مطالبہ کر سکیں گے، اگر اس سے قرضے پورے ہوں، تو ٹھیک ورنہ آگے مالکان یعنی بورڈ آف ڈائریکٹرز سے مزید مطالبہ کا قانونی حق نہیں ہوگا۔ یہی کچھ عبد ماذون لہ فی التجارہ کے مسئلہ میں ہوتا تھا۔ سبھی جانتے ہیں کہ اسلام سے پہلے غلام باندیوں کے ساتھ غیر انسانی رویہ روا رکھا جاتا تھا، اسلام نے ان کو حقوق دئے، اور حکم دیا کہ جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ، جو خود خود پہنتے ہو انہیں پہناو۔ اس کی تفصیلات اور پروپیگنڈوں کے خلاف مستقل طور سے لکھا گیا ہے۔ اسی قبیل سے یہ مسئلہ ہے کہ بسا اوقات غلام مالک کیلیے تجارت اور کاروبار کرتے تھے، کاروبار میں دیوالیہ ہونے کی صورت میں قرض خواہ صرف غلام کی قیمت کی حد تک مطالبے کا حق رکھتے تھے، اس سے زیادہ کا حق انہیں نہیں تھا۔ فقہائے کرام نے قدیم فقہ میں اس کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے یہ تحقیق مفتی تقی عثمانی صاحب کو بتادی، وہ بہت خوش ہوئے، اور جب انہوں نے یہی تحقیق فقہ اکیڈمی میں پیش کی، تو اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا گیا۔

تجارت و معیشت کے میدان میں مذکورہ بالا جاں گسل چیلنجز سے نمٹنے کیلیے جن کاوشوں کو اولیت کا شرف حاصل ہے، وہ "مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ" کی کاوشیں ہیں۔ یہ مجلس مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا یوسف بنّوری صاحب اور مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمھم اللہ جیسے حضرات کی سرکردگی میں جدید مسائل کی تحقیق پر جو کام کر چکی ہے، اس کی تفصیلات "جواہر الفقہ" اور احسن الفتاوی" وغیرہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ کا مقالہ "یورپ کے تین معاشی نظام" اور " اسلامی معیشت کی خصوصیات اور نظام سرمایہ کاری" ان کاوشوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی صاحب کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں، مقالے اور محاضرات اس کے علاوہ ہیں، جن میں صرف " اسلام اور جدید معاشی مسائل" آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

پھر یہ سارا کام محض نظریاتی کد کاوش نہیں۔ ان حضرات کی تحقیقات کی بنیاد پر ملکی اور عالمی سطح پر عملی میدان میں جو کام ہو چکا ہے، اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ شروع میں ریاستی سطح پر سودی نظام کے خلاف کوششیں کی گئیں، چنانچہ 1988 میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک جامع رپورٹ تیار کی، جس میں سودی نظام کو ناجائز قرار دے کر غیر سودی نظام کا ڈھانچہ پیش کیا گیا، بعد میں 1991 میں وفاقی شرعی عدالت نے سودی نظام کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے حکومت کو متعینہ مدت کے اندر قوانین میں تبدیلی کی ہدایت کی۔ اس کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی، جس پر 1999 میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ نے وفاقی شرعی عدالت

کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے حکومت کو 30 جون 2002 تک مہلت دی کہ وہ سودی قوانین کو ختم کرکے اسلامی معیشت کی بنیاد رکھے۔
شریعت اپیلیٹ بینچ جس کے مفتی تقی عثمانی صاحب رکن رکین تھے، کے دلیرانہ فیصلوں کی پاداش میں "وقت کے ڈکٹیٹر" نے اس بینچ کو توڑ کر سارا قصہ ختم کرڈالا، اور وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ دوبارہ سماعت کیلیے بحث و تمحیص کی نذر ہو چلا۔
ریاستی سطح پر مایوس کن صورت حال کے بعد علمائے کرام نے پرائیویٹ سیکٹر میں غیر سودی نظام کے لیے جدو جہد شروع کی، پرائیویٹ سیکٹر میں دیکھتے ہی دیکھتے یہ نظام پروان چڑھتا گیا، حتی کہ آج اسلامی ریاستوں کے علاوہ روس اور چین جیسے خالص سیکولر ممالک بھی اس نظام کے حسن وخوبی کے پیش نظر اسے ترویج دے رہے ہیں۔
اس نظام کی معقولیت کی بناء پر 2008 کے عالمی معاشی بحران پر غور کرنے کیلیے ورلڈ اکنامک فورم کے منعقدہ اجلاس میں مفتی تقی عثمانی صاحب کو خصوصی دعوت دی گئی، جس میں حضرت والا کا مفصل مقالہ بزبان انگریزی سنا گیا۔
یہ نظام جس طرح روز افزوں ترقی کرتا جارہا ہے، اسی نسبت سے اس کے مسائل بھی دو چند ہوتے جارہے ہیں، ان مسائل کی تحقیقات کیلیے متعدد عالمی فورمز تشکیل دئے گئے ہیں، جن میں بالخصوص اسلامی بنکاری کے آڈٹ اور اکاؤنٹنگ کی بابت معیارات سازی کا ادارہ AAOFI (Accounting and Auditing Organisation for Islamic Financial Institution) سرِ فہرست ہے۔ استاد محترم حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب متعدد دفعہ اس کے سربراہ منتخب ہو چکے ہیں۔ یہ ادارہ اسلامی مالیاتی اداروں کیلیے مرکزی بینکوں اور عالمی مالیاتی اداروں کے ساتھ

معاملات کو نمٹانے کیلیے شرعی مسائل اور آڈیٹ و اکاؤنٹنگ کے حوالے سے معائیر تیار کر رہا ہے، ان کے پانچ سو سے زیادہ معائیر تیار ہو چکے ہیں۔ ان معائیر اور متعلقہ میدان کے دیگر مسائل پر مشتمل مواد ہمارے متعدّد بڑے مدارس کے تخصُّصات میں شامل نصاب ہے۔ ان مدارس میں "جامعہ الرشید کراچی" صرف تین چار بیچز میں ستر(70) سے زیادہ افراد انڈسٹری کو مہیا کر چکا ہے. جامعہ دارالعلوم کراچی کی تو خیر بات ہی دیگر ہے! ان کے علاوہ تقریبا تمام بڑے مدارس کے تخصص فی الفقہ میں مالیاتی اُمور کا نصاب پڑھایا جاتا ہے، جو دن بدن ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

تحریر کی طوالت کے خوف سے مزید کچھ عرض کرنا مناسب معلوم نہیں ہورہا، اس لیے تجارت و معیشت کے باب میں مذکورہ بالا واجبی مگر ناگزیر جائزہ پر اِکتفا کیا جاتا ہے۔

البتہ آخر میں مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب "فقہ البیوع" کا تذکرہ کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس کے بغیر یہ جائزہ ناتمام معلوم ہوتا ہے۔ قدیم اسلامی فقہ کو دور جدید میں ریلیونٹ نہ سمجھنے والے اور "گلوبل فقہ" کا ڈول ڈالنے والے دانِشور اگر اس کتاب کے مطالعہ کی زحمت کریں، تو انہیں سانپ سونگھ جائے۔ اس کتاب نے قدیم فقہ کو ملکی اور عالمی مالیاتی مسائل میں جس طرح ایڈجسٹ کیا ہے، اسے مطالعہ کرکے آدمی جھوم اٹھتا ہے، اس کے علاوہ حضرت والا نے برٹش اور سویسر قوانین کے ساتھ فقہ اسلامی کے مالیاتی ضابطوں کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے، یہ کتاب عالمی اداروں اور شخصیات سے داد تحسین حاصل کرکے عملی طور پر اسلامی معیشت میں نمایاں کرادر ادا کررہا ہے۔

سلطنت عثمانیہ کے دور میں فقہ حنفی کا کوڈیفائید کام جو "مجلة الأحكام العدلية" کی صورت میں سامنے آچکا ہے، اس کا تذکرہ کسی اور وقت پہ اٹھا رکھتا ہوں، واللہ تعالیٰ ھو الموفق والمعین۔

سیاست

سیاست کے میدان میں جدید فقہی اور تحقیقی چیلنجِز کو سمجھنے کیلیے فرانس کے سیاسی انقلاب، اُس کے محرکات اور اَساسات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ مغرب میں کلیسا کے دورِ حکومت میں عام لوگ پادریوں، جاگیرداروں اور سیاسی زُعَماء کی چیرہ دستیوں کا بد ترین شکار تھے۔ یہ تکونی گٹھ جوڑ عوام کے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ رہا تھا۔ مذہبی پیشوا معمولی باتوں پر بدعت و گمراہی کے فتوے لگاتے پھرتے، چند ٹکوں کے عوض جنت کے سرٹیفیکیٹ جاری کرتے اور طرح طرح کے خرافات اور مظالم روا رکھتے۔ خود اہلِ مغرب اس دور کو تاریک دور (Dark ages) سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر عوام میں ایک تحریک اٹھی جو آگے جاکر فرانس کے سیاسی انقلاب پر مُنتَج ہوئی۔ اِس انقلاب نے مغربی جمہوریت (Secular Democracy) کی داغ بیل ڈالی۔ مغربی جمہوریت کی فکری بنیادیں وولٹائر، مونٹیسکو اور روسو نے مذہب بیزاری، اختیارات کی تقسیم اور فرد کی آزادی کی صورت میں مہیا کیں۔ سب سے پہلے وولٹائر نے مغرب کو بتایا کہ جب تک مذہب کے جوے کو اتار نہیں پھینکو گے، ترقی نہیں کر سکو گے۔ چنانچہ کہا گیا کہ مذہب انسان کا انفرادی اور ذاتی معاملہ ہے، اس کا سیاست و ریاست سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد دیگر مفکرین نے اختیارات کی تقسیم اور فرد کی آزادی کی بات کی۔ انہیں نظریات نے آگے جاکر نیشن سٹیٹ کا تصور دیا، اور آج عالمی مارکیٹ سیاسیات میں اِسی کا سکہ رائج ہے، اسی لیے ہمارا جدت پسند طبقہ بھی اسی کا راگ الاپتا رہتا ہے۔

اصولی طور سے اس نظام نے فکر و دانش کیلیے جو مسائل پیدا کیے، ان میں چند ایک درج ذیل ہیں:
سب سے پہلا مسئلہ یہ سامنے آیا کہ مذہب اور ریاست کا باہمی تعلق کیا ہے؟ ہمارے یہاں "مولوی کو سیاست سے کیا تعلق؟" کا بیانیہ اسی نظریہ کا پیدا کردہ ہے۔ اسی ضمن میں اسلام میں سیاست و خلافت کا مقام اور شرعی حیثیت واضح کرنا ضروری ٹھہرا۔ دوسرا بڑا مسئلہ یہ زیرِ بحث آیا کہ مغربی جمہوریت کی شرعی حیثیت کیا ہے نیز اس نظام کو اسلامی نظام سیاست میں ایڈجسٹ کرنے کی ممکنہ صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہاں تو کیسے؟ اس کے علاوہ حاکمیت اعلی کا مسئلہ زیر بحث آیا، کہ عوام کی حاکمیت (Popular Sovereignty) اور خالق کی حاکمیت (Divine Sovereignty) کا مسئلہ کیا ہے؟ نیز دستور سازی، قانون سازی کا اختیار، قانون کی تنفیذ و اجراء کا اختیار وغیرہ کو پارلیمنٹ، انتظامیہ اور عدلیہ میں تقسیم کرنے کا تصور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیسا ہے؟ اس کے علاوہ انتخابات کا طریقہ کار، ووٹ کی شرعی حیثیت اور عورت کی سیاست میں شمولیت اور سربراہی وغیرہ جیسے مسائل تشنۂ تحقیق ٹھہرے۔

ان مسائل کو سلجھانے کیلیے ایک طبقہ تو جدت پسند دانشوروں کا ہے، انہوں نے مغرب کے نظام سیاست کو تقریباً مِن وعَن قبول کیا، بلکہ اِس کے حق میں قرآن و حدیث کو توڑ مروڑ کر اور کھینچ تان کر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ نظام اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے، لہذا مسلمان ممالک کو چاہیے کہ اسے اپنائیں۔ ان حضرات میں مولانا وحیدالدین خاں صاحب اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب سرفہرست ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان حضرات نے قدیم فقہائے کرام کے تصور دارُالاسلام اور دارُالحرب وغیرہ کو غیر اسلامی قرار دے کر اسے نشانۂ تنقید بنایا۔

دوسرا طبقہ وہ ہے، جس نے اس نظام کو بالکلیہ مسترد کرتے ہوئے اعلان کرڈالا کہ یہ سراسر کفر ہے اور یہ ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔ جن علماء حضرات نے اسلامی جمہوریت کیلیے جدوجہد کی تھی، اس طبقہ نے اُن علماء کی کاوشوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ ان کے یہاں اسلامی خلافت کا نعرہ بڑے زور شور سے لگایا جاتا ہے اور بلا شبہ اس کیلیے یہ حضرات متحرک بھی نظر آتے ہیں، نیز یہ لوگ خلوص سے بھی بھرپور معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ اِن حضرات نے اس سمت میں جمہور امت اور فقہ اسلامی کے اجماعی موقف پر اعتماد کرکے اس کی روشنی میں کوئی ہوم ورک تیار کرنے کے بجائے اپنے تئیں اجتہاد کرنا شروع کیا، جس سے عصمت انبیاء علیہم السلام، ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور مقدس ہستیوں کے عزت و احترام جیسے متفقہ مسائل نزاعی بن گئے، اِس پر خوفناک بحثا بحثی شروع ہوگئی، جس کی تلخیاں آج تک کہیں کہیں برقرار ہیں۔ اِس طبقہ کے سرکردہ حضرات میں مولانا مودودی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب شامل ہیں۔
تیسرا طبقہ اس نظام کے حوالے سے "روایتی علماء" کا ہے، جس نے مسلمہ اسلامی اصول "خُذْ ما صَفَا و دَعْ ما کدُرَ" یعنی اچھی باتیں اپنالو اور باطل کو ترک کردو، پر عمل کیا۔ انہوں نے مغربی جمہوریت کا متانت کے ساتھ تحقیقی جائزہ لیا، اُس کے کفریہ نظریات کی تردید کی، اور ممکِنہ حد تک اچھی باتیں اپنائیں۔ دراصل اسلام کے ابدی اور کُلی مسلَّمات ہیں، ان مسلمات کے بچاؤ کے ساتھ اگر کوئی نظام ہمیں فائدہ دے سکتا ہے، تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن جہاں ہمارے مسلمات ہی باقی نہ بچیں تو ایسا نظام ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں۔

مغربی جمہوریت کے حوالے سے پہلے طبقہ نے اپنے مسلمات کو ہی قربانی کا بکرا بنا دیا، حتیٰ کہ جناب غامدی صاحب نے پارلیمنٹ کو معصوم عن الخطا تصور کیے جانے والے مغربی بیانیے کی تائید میں کہا کہ اجتہاد تو کافر بھی کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے طبقہ نے اپنے مسلمات کی طرف درست رہنمائی حاصل نہ کی، جبکہ تیسرے طبقہ نے اپنے مسلمات کو بھی بچا کے رکھا اور اسی کے ساتھ جمہوریت کی اچھی باتوں کو بھی اس میں ایڈجسٹ کردیا۔

کہنے کو تو یہ معمولی سی بات ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کام کیلیے علمائے کرام نے علم و تحقیق کے راستے میں زندگیاں کَھپا دیں، جب جا کر اسلامی جمہوریت یعنی اسلامی خلافت میں مغربی جمہوریت کی ایڈجسٹمنٹ کی فکری طور پر تحقیق ممکن ہو سکی۔

اس سلسہ میں جن بزرگوں کی تحقیقات کو اولیت کا شرف حاصل ہے، ان میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سرفہرست ہیں۔ حضرت نے جدید نظام سیاست کے تناظر میں اسلام میں سیاست کے مقام پر مدلل گفتگو کرکے اِس کا درست مقام متعین کردیا۔ ہمارے جدت پسند طبقہ نے سرے سے سیاست کو مذہب سے نکال باہر کیا، جبکہ دوسرے طبقہ نے سیاست کو اسلام کے اولین مقاصد میں گردانا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے مقاصد اور غیر مقاصد کی الٹی گنتی شروع ہوگئی۔

اس کے علاوہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے عورت کی سربراہی، خروج ضد الحاکم اور مروجہ احتجاج و ہڑتال وغیرہ جیسے مسائل پر وقیع تحقیقات پیش کیں، ان تحقیقات کا ایک حسین مجموعہ استاد گرامی مفتی تقی عثمانی صاحب نے "حکیم الامت کے سیاسی افکار" میں جمع فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا اسحاق صاحب نے "اسلام اور سیاست" نامی کتاب میں مزید نگارشات جمع کی ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے "ووٹ کی شرعی حیثیت، اقلیتوں کے حقوق، اصحاب اقتدار کے فرائض، اور ریاستی امور میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے حدود" جیسے حسّاس موضوعات پر تحقیقی مقالے تصنیف فرمائے، جو "جواہر الفقہ" کی زینت بن چکے ہیں۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی "اسلام اور سیاسی نظریات" تو ایسا عظیم الشان علمی سرمایہ ہے، جس نے چار دانگ عالم میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی میں اس کی اشاعت نے پورے عالم میں مقبولیت حاصل کی ہے۔ چند برس قبل لندن میں اِس کے انگریزی ایڈیشن کی تقریب نمائی کے موقع پر ایک عرب ولی عہد نے اپنے تاثرات میں کہا تھا کہ وہ عرصہ دراز سے ایک ایسی کتاب کی تلاش میں تھے، جو عصر حاضر کے سیاسی مسائل میں اسلام کے درست موقف سے روشناس کرائے۔ فرمایا کہ یہ کتاب جب ہاتھ لگ گئی تو میری جستجو مکمل ہو گئی۔

اس کتاب میں حضرت والا نے عہد یونان سے لے کر دور حاضر تک کے تمام سیاسی افکار کا تعارف کروا کے اس کا جائزہ لیا ہے، جمہوریت کی بابت مستقل باب قائم کرکے، اس کی تاریخ، محرکات، اساسیات پر گفتگو کی ہے، نیز اس پر تنقیدی تبصرہ کرکے اسلامی نظام سیاست کے ساتھ اس کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ آخر میں اسلامی نظام سیاست کا مفصل تعارف اور دور

حاضر میں اس کی تطبیق پر جامع اور مدلل گفتگو کی ہے، نیز اسلامی نظام سیاست کے خلاف مغربی پروپیگنڈوں کی قلعی خوب کھول کر رکھ دی ہے۔
مفکر اسلام مولانا زاہد الراشدی صاحب کی "اسلامی خلافت" اور "اسلام، جمہوریت اور پاکستان" حسین اور تحقیقی نگارشات کا مجموعہ ہیں۔ حضرت کے جملہ محاضرات، انٹرویوز اور کالم ہر ایک کیلیے یکساں مفید ہیں۔
"روایتی علمائے کرام" کے مذکورہ بالا کام کا واجبی جائزہ اگر سنجیدگی سے لیا جائے، تو بآسانی معلوم ہو سکے گا کہ قدیم فقۂ اسلامی کیا چیز ہے اور علمائے کرام نے اس سے کیا جواہر کشید کیے ہیں ! !
ان حضرات نے اپنی تحقیقات میں اسلامی فقہ کی جامعیت اور سیاست و ریاست کے مسائل کو سلجھانے میں اس کے خوشگوار ماضی پر جو گفتگو کی ہے، اس کا خلاصۂ بھی سنتے جائیں۔
امام ابویوسف رحمہ اللہ کی کتاب "کتاب الخراج" اپنے حسن و خوبی اور مالی اور دیگر مسائل میں جامعیت کی بناء پر عباسی دور خلافت میں سرکاری سطح پر نافذُ العمل رہی۔ سلطنت عثمانیہ کے دور میں جبکہ اسلامی ریاست ایشیا اوریورپ سے نکل کر افریقہ کی شمالی پٹی تک جا پہنچی تھی، اس وقت وسیع تر ریاستی مسائل کو سلجھانے کیلیے فقہائے کرام نے "مجلۃ الأحکام العدلیۃ" تصنیف کی۔ جو ریاستی سطح پر معاملات کیلیے کافی شافی ثابت ہوئی، ہمارے یہاں برصغیر میں مغلوں کے دور میں اورنگزیب عالمگیر نے علمائے کرام سے "فتاوی عالمگیری" لکھوائی، جو ریاست کی رہنمائی کرتی رہی۔ پاکستان میں علمائے کرام نے اسلامی فقہ کی روشنی میں اسلامی احکامات کیلیے ہوم ورک اور فائل ورک کی حد تک جو کام کیا ہے، وہ بلا شبہ دورِ جدید میں کسی بھی اسلامی ریاست کیلیے کافی ہے۔ قرارداد مقاصد کے علاوہ 31 سرکردہ علمائے کرام کا 22 نکاتی دستوری فارمولا،

اسلامی نظریاتی کونسل کی چھ ہزار سے زیادہ سفارشات اور شریعت فیڈرل کورٹ اور شریعت اپیلیٹ بینچ کے متعدد فیصلے جہاں دورِ جدید میں فقہ اسلامی کی تطبیق کا منہ بولتا ثبوت ہیں، وہاں ان لبرلز کا منہ بند کرنے کیلیے بھی بہت ہے، جو کہتے ہیں کہ اجی ! پاکستان میں کونسا اسلام نافذ کریں، یہاں تو مولوی لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں اور فرقوں میں تقسیم ہیں؟ ان کو سیدھے سبھاؤ جواب دیا کریں کہ مولویوں کو چھوڑیں اور مذکورہ آئینی کام جو سب کیلیے مسلم ہے، بس اسی کو نافذ کیجیے، لیکن:

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اَقرِبا؟
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

قانون، انٹرنیشنل لاء
(مکالمۂ مغرب کے تناظر میں)

قانون فقۂ اسلامی کے مقابلہ میں ایک محدود شعبہ ہے، جس میں عبادات، دیانات اور دیگر کئی فقہی اَبواب سے بحث نہیں ہوتی۔ پھر قانون کا ایک اہم شعبہ انٹرنشنل لاء یعنی قانون بین الممالک ہے۔ چونکہ اس شعبہ نے فقۂ اسلامی اور علمائے اسلام کے لیے فکر و تحقیق کے میدانوں میں بہت بڑے چیلنجز پیدا کیے ہیں، جو وسیع تر مفہوم میں تہذیبوں کی جنگ اور مکالمۂ مغرب کو شامل ہیں ۔ اس لیے اِس قسط میں انٹرنیشنل لاء پر مکالمہ مغرب کے تناظر میں گفتگو ہوگی۔

اِس سلسلے میں سب سے پہلے یہ واضح رہنا ضروری ہے، کہ مغرب نے عالمی قانونِ انسانیت کے میدان میں بہت بعد میں آنکھ کھولی ہے، مغرب نے ڈچ ماہر قانون "ہیوگو گروشیس" کو عالمی قانون کا باوا آدم قرار دیا ہے، جبکہ ہیوگو گروشیس سے آٹھ سو سال پہلے امام ابو حنیفہ، امام اوزاعی اور امام محمد رحمہم اللہ وغیرہ نے عالمی قانون پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کے کام کی تعریف خود مغربی محقِقین کر چکے ہیں۔

مغرب کے عالمی قانون کے اِرتقاء کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ازمنۂ وُسطی کے تاریک دور میں کلیسا، جاگیردار اور حکومت نے باہمی گٹھ جوڑ کرکے ایک دستاویز تیار کی، جسے میگنا کارٹا (Magna Carta) کہا جاتا ہے، یہ باضابطہ دستاویز جان دوم کے دورِ حکومت میں ۱۲۱۵ء کو تیار کی گئی۔

اس کے بعد ۱۷۸۹ء کو انقلاب فرانس کے نتیجہ میں جمہوریت کی بنیاد ڈالی گئی اور ایک باضابطہ دستاویز تیار کی گئی جو "انسان کے حقوق کا اعلامیہ" (Declaration of the Rrights of Man) سے معروف ہے۔ اس کے نتیجہ میں پہلی دفعہ اقتدار اشرافیہ سے سول سوسائٹی کو منتقل ہو گیا۔

۱۹۱۴ء کے پہلی جنگ عظیم کے مسائل کو نمٹانے کے لیے انجمن اقوام (League of Nations) وجود میں آگئی، جو ناکام ہو گئی، اور بعد میں دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر اقوام متحدہ (United Nations) کا فورم تشکیل دیا گیا۔ اس فورم نے نے ۱۹٤۸ء میں جنرل اسمبلی سے عالمی قانونِ انسانیت کا ایک منشور پاس کروایا جو Universal Deceleration of Human Rights کہلاتا ہے۔ اس کے بعد بالخصوص روس کے شکست کے بعد مغرب نے یہ اعلان کردیا کہ مغربی تہذیب تاریخی ارتقاء کے بعد سب سے اعلی تہذیب ہے، یہ پوری انسانیت کیلیے ناگزیر ہے۔ فوکویاما کی کتاب The end of history and the last man میں یہ بات شدت سے کہی گئی، اور اس کے بعد مغرب میں یہ راگ زور سے الاپا جانے لگا۔

مغرب اپنی تہذیب اور عالمی قانون انسانیت کو پوری دنیا میں لاگو کرنے کیلیے مسلّح تنظیم ناٹو تیار کر چکا ہے، اس کے ساتھ فکری و نظریاتی سطح پر بھی نظریاتی جنگ چھیڑ چکا ہے۔

اس تناظر میں آج کی دنیا کا سب سے بڑا موضوع یہ ہے کہ آج کی ماڈرن اور کثیر العنصری (Pluralistic) سوسائٹی میں کونسی تہذیب سب سے زیادہ موزوں ہے؟ آج کی گلوبل سوسائٹی کے مسائل کو سلجھانے کیلیے ایک طرف مغرب کی مادی تہذیب ہے، جو جمہوریت، فری مارکیٹ، اور سرمایہ کاری کی بات کرتا ہے، جو سراسر عیش کوشی، لا مذہبیت اور نفس پروری پر مشتمل ہے۔ جبکہ دوسری طرف اسلامی تہذیب ہے، جو "ھدی للعالمین" کا مدعی ہے۔

اس سیناریو میں مغرب تو مغرب ہمارے مشرقی دانشور بھی مغربی تہذیب کی سپر میسی کی بات کرتے ہیں، اس کیلیے سوچ ساچ کر عقلی اور منطقی دلائل بھی پیش کرتے رہتے ہیں، نیز فقۂ اسلامی کے بارے میں آئے روز کہتے نظر آتے ہیں کہ صاحب! آج کے ماڈرن دور میں اس کی کوئی ریلیونس نہیں ہے۔

ایسے میں علمائے کرام کیلیے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ ماڈرن ٹرم، جدید تقاضوں اور حاضر وسائل کے ذریعہ اسلام اور بالخصوص اسلامی فقہ کی معقولیت، جامعیت اور جدید دنیا میں اس کی ریلیونس کو عقلی دلائل اور زمینی حقائق کی بنیاد پر ثابت کریں۔ مغربی تہذیب اور مغرب کے عالمی قانونِ انسانیت کا تحقیقی مطالعہ کرکے اس تقابلی جائزہ لیں، اور پھر دنیا کو بتائیں کہ آج کے گلوبل اور پلورلسٹک سوسائٹی اور سسکتی انسانیت کا واحد حل اسلام ہے۔

اللہ کے فضل سے ہمارے علمائے کرام نے اس سمت میں جو کام کیا ہے، وہ لائقِ صد تحسین ہے۔ ہمارے جن بزرگوں نے مغرب و مشرق کے دانشکدوں اور مکالمات کے متعدد فورمز پر اسلام کی سرمدی تعلیمات کو عقلی اور منطقی دلائل کے ذریعہ اُجاگر کیا ہے، اِن میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مفتی تقی عثمانی، مولانا زاہد الراشدی اور ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب سر فہرست ہیں۔

قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فی الواقع حکیم الاسلام تھے، قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت اور عقل و دانش کی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ قاری صاحب کے محاضرات اور رسائل کیلیے "خطبات حکیم الاسلام" اور "رسائل حکیم الاسلام" کا مطالعہ از حد مفید ہے۔ جو ایک درجن سے زیادہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں۔ بالخصوص، "عالمی مذہب"، "عالم

انسانیت کا مکمل قانون، اسلام"، "اسلام اور عالمی امن و اخوت"، "اسلام کے دو امتیازی پہلو، جامعیت اور اجتماعیت"، "مسلم پرسنل لاء کے شرعی اصول"، اور "اسلام اور مغربی تہذیب" واجب المطالعہ ہیں۔

مولانا علی میاں کی تو بات ہی دیگر ہے، مولانا نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا، ملکوں ملکوں بلکہ شہروں شہروں گھومے، کیا مشرق اور کیا مغرب !، جہاں گیے، اسلام کی ابدیت اور عالمگیریت کا پیغام پہنچاتے گئے، بقول شخصے:

جدھر جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

مولانا علی میاں کے محاضرات اور تصانیف سو سے اوپر ہیں۔ ان میں "اسلام اور مغرب"، "اسلام ایک تغیّر پذیر دنیا میں"، "اسلام ایک مکمل دین، مستقل تہذیب"، "مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں"، معرکۂ ایمان و مادیت"، اور "انسانیت کی رہنمائی میں اسلام کا کردار" خوب ہیں۔

مولانا علی میاں کے روحانی جانشین مفکرِ اسلام مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اس میدان میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ امتیازی نوعیت کا ہے، حضرت نے اپنی کتاب "انسانی حقوق کا عالمی حقوق کا منشور" میں اقوامِ متحدہ کے حقوق انسانیت کے چارٹر کا اُردو متن پیش کیا ہے، اس کا تحقیقی جائزہ لیا ہے، اسلام میں حقوق کے فلسفہ کے ساتھ اس کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد اس پر عقلی دلائل اور زمینی حقائق کی روشنی میں زبردست تنقید کی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت کی کتاب "خطبہ حجۃ الوداع، اسلامی تعلیمات کا کا عالمی منشور" اور "حدود آرڈیننس اور تحفظ نسواں بل" بہترین کاوش ہیں۔

استاد محترم مفتی تقی عثمانی صاحب کی "فقہ البیوع" کا تذکرہ آپ سابق میں پڑھ آئے ہیں، یہ کتاب بالخصوص اسلامک کمرشل لاء کے شعبے میں اپنی مثال آپ ہے، جس میں نہ صرف فقہ کی جدید دور میں ریلیوینس ثابت کی گئی ہے، بلکہ عالمی تجارت و معیشت میں اسلامک کمرشل لاء کی برتری اور مغرب کے وضعی قوانین کے ساتھ ان کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔

اسلام اور سیاسی نظریات" اور " اسلام اور دورِ حاضر کے شبہات اور مغالطے" میں مغربی جمہوریت، میگنا کارٹا، آزادیٔ اظہار رائے، حقوق نسواں اور ہیومن رائٹس وغیرہ پر خوب تنقید کی ہے۔ اس کے علاوہ تقریرِ ترمذی اور انعامُ الباری وغیرہ میں اسلامک انٹرنیشنل لاء کے بالخصوص جنگی قوانین اور علۃ القتال وغیرہ بھی سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ ملکی قانون کے تناظر میں " عدالتی فیصلے" اور " ہمارے عائلی مسائل" الگ سے ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب رحمہ اللہ نے انٹرنشینل لاء کو اختصاصی موضوع کے طور پر اختیار کیا تھا، ڈاکٹر صاحب بنوری ٹاؤن کے پڑھے ہوئے اور دارالعلوم تعلیم القرآن کے فارغ التحصیل تھے۔ ان کے محاضرات اور تصانیف میں " اسلام کا قانون بین الممالک"، " العولمۃ"، " اسلام اور مغرب تعلقات"، اور " محاضرات فقہ" قابل تحسین و آفرین ہیں۔

مولانا علی میاں اور دیگر اکابر کی کاوشوں کے نتیجے میں مکالمۂ مغرب اور نظریاتی جنگ کے میدان کو سر کرنے کیلیے مدارس میں مستقل تخصص بنام " تخصص فی الدعوۃ والارشاد" قائم کیا جاچکا ہے، اس تخصّص کیلیے بالخصوص مولانا اسماعیل ریحان صاحب نے " نظریاتی جنگ کے اصول" اور " اسلام کا نظریاتی محاذ" جیسی کتابیں لکھ کر بر صغیر میں اس میدان کو بطورِ فن کے رائج کرنے میں اعلی کردار ادا کیا ہے۔

اسلام کے انٹر نشنل لاء، اس کے تقاضے اور اس سمت میں علمائے کرام کا مختصر اور واجبی تذکرہ بھی کافی طویل ہوچلا، بہر حال مذکورہ گزارشات متجددین کے پروپیگنڈوں کیلیے کافی ہیں۔ مزید تفصیلات کسی اور موقع کیلیے اٹھا رکھتے ہیں۔

تحقیقات کا اجمالی جائزہ

سابقہ معروضات میں آپ نے دیکھا کہ آج کے ماڈرن ایرا نے تحقیق کے میدان میں متعدد نظام ہائے حیات میں کون کون سے چیلنجز پیدا کیے ہیں، اور ان چیلنجز سے نبرد آزما ہونے والے روایتی علمائے کرام نے قدیم فقہی لٹریچر کی بنیاد پر کیا کیا تحقیقی کاوشیں کی ہیں؟ نیز یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ فکر و تحقیق کی یہ کاوشیں محض فائل ورک کی حد تک محدود نہیں، بلکہ ان کاوشوں کی معقولیت اور مقبولیت کے پیش نظر آج اسلامی دنیا کے ساتھ ساتھ مغربی دنیا بھی عملی دنیا میں اس کی ترویج کیلیے پر تول رہی ہے۔

یہ کاوشیں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر رو بعمل لائی جارہی ہیں، اجتماعی طور سے ملکی اور بین الاسلامی سطح پر ایک درجن ادارے اس سمت میں شب وروز مصروف عمل ہیں۔ ذیل میں اہم اداروں اور ان کی کاوشوں کا تعارف اور کچھ لنک دئے جارہے ہیں، تاکہ ہر صاحب عقل کسی بھی وقت ان کاوشوں کی مراجعت کر سکے، اور جدت پسندوں کے پروپیگنڈوں کی حقیقت کو بخوبی سمجھ سکے۔

بین الاسلامی سطح پر ایک درجن کے قریب اداروں میں تین ادارے نسبتا زیادہ اہم ہیں۔ ان میں سب سے پہلا ادارہ رابطۂ عالمی اسلامی کی ذیلی فقہ اکیڈمی " المجمع الفقہی الاسلامی مکہ" ہے، اس

کے بعد او آئی سی کے تحت ایک اور ادارہ قائم کیا گیا، جو "مجمع الفقہ الاسلامی جدہ" کہلاتا ہے۔
تیسرے نمبر پر "اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا" ہے۔
ان اداروں میں عالم اسلام کے جید فقہائے کرام جدید مسائل کی تحقیق کیلیے اپنے مقالے پیش کرتے ہیں، جس پر طویل بحث و تمحیص اور غور وفکر کے بعد قراردادیں منظور کی جاتی ہیں۔ ان کے مقالات اور مباحثوں پر مشتمل کاوشیں سو کے قریب ضخیم مجلدات میں شائع ہو چکی ہیں، جو ان کی ویب سائٹس پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں، یہاں صرف ان کے فیصلے اور قرارات پر مشتمل کتابوں کے لنک دئے جارہے ہیں:
مذکورہ اداروں کے علاوہ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل اور مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا ذکر آپ سابق میں پڑھ آئے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی چھ ہزار سے اوپر سفارشات کیلیے کونسل کی ویب سائٹ پر جایا جا سکتا ہے، جبکہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تحقیقات کیلیے بالخصوص جواہر الفقہ اور احسن الفتاوی کی مراجعت کی جائے۔ جن میں مجلس کی نمایاں تحقیقات شائع کی جا چکی ہیں۔
ان اداروں کے علاوہ پاکستان میں ایک درجن سے زیادہ بڑے مدارس کے دارالافتاوں کی تحقیقات حیرت انگیز ہیں، ان میں صرف جامعہ دارالعلوم کراچی کی تحقیقات بصورت فتاوی مکررات کے ساتھ دو ہزار مجلدات سے اوپر ہیں۔ جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن نے اپنے فتاوی کیلیے بہترین ویب سائٹ بھی لانچ کر دی ہے۔ تقریبا ان سب دارالافتاوں کی تحقیقات الگ الگ فتاوی میں شائع ہو چکی ہیں، جس کے اجمالی ذکر کیلیے بھی مستقل مقالہ کی ضرورت

ہے۔ اس کے بعد سابق میں ذکر کردہ میادین سے متعلق اہم تحقیقات اور نگارشات کے لنک پیش خدمت ہیں۔

تحقیقات کا اجمالی جائزہ

- المجمع الفقہی الاسلامی مکہ

https://archive.org/download/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/Makka-Fiqah-Acadmy-K-Fiqhi-Faisle-1.pdf

- عالمی فقہ اکیڈمی انڈیا

https://archive.org/details/JadeedFiqhiMabahis

- مجمع الفقہ الاسلامی جدہ (انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ)

http://www.mediafire.com/file/xb5g97aza9bau71/International-Faqah-Acadmi-Jadda-K-Shari-Faisle.pdf/file

- پاکستان نظریاتی کونسل

http://www.cii.gov.pk

میڈیکل اور فوڈ سائنس

- فتاوی عثمانی جلد ۴ (مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

https://archive.org/download/Fatawa-Usmani-By-Mufti-Taqi-Usmani/Fatawa%20Usmani%20-%20Vol%204.pdf

- جدید فقہی مسائل (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

https://ia600708.us.archive.org/20/items/BESTUBOOKS1118/JADEED_FIQHI_MASAIL_VOL_05.pdf

- الکحل سے متعلق شرعی احکام (مفتی سید عارف علی شاہ الحسینی صاحب)

https://ia601409.us.archive.org/12/items/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/الکحل%20سے%20متعلق%20شرعی%20احکام.pdf

- غذاؤں اور دواؤں کے اجزاء ترکیبی اور ان کے مآخذ (اظفر اقبال رشید صاحب)

https://ia601409.us.archive.org/12/items/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/gizaon%20aur%20dawan%20ki%20ajzaa%20tarkeebi%20HARC%20-%20Ingredients%20-%20Azfer%2029-8-19.pdf

- تبدیل ماہیت و استحالہ کا تعارف (مفتی سفیان بلند صاحب)

https://ia601409.us.archive.org/12/items/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/Presentation%20of%20istihala%2024-9-18.pdf

- مشتبہ کے شرعی احکام اور e numbers کا تعارف (مفتی سفیان بلند صاحب)

https://ia601409.us.archive.org/12/items/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/Introduction%20of%20doubtful%20Enos.24-9-2018.pdf

- حلال و حرام چند اہم مباحث (مفتی شعیب عالم صاحب)

https://ia601409.us.archive.org/12/items/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/5_6093867120469213204.pdf

- جدید فقہی مباحث

https://archive.org/stream/JadeedFiqhiMabahis/Jadeed_Fiqhi_Mabahis_Vol_10

https://archive.org/stream/JadeedFiqhiMabahis/Jadeed_Fiqhi_Mabahis_Vol_18#mode/2up

https://archive.org/stream/JadeedFiqhiMabahis/Jadeed_Fiqhi_Mabahis_Vol_20

سیاست

- حکیم الامت کے سیاسی افکار (مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

https://archive.org/stream/Maktaba-Mufti-Taqi-Usmani-Sahib/Hakeem-ul-Ummat-Kay-Siyasi-Afkar

- جواہر الفقہ (مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ)

https://archive.org/details/MAKTABA-TUL-MAKNOON-AL-MUFAHRIS-LIL-MAKHTOTAAT-FIQH-JAWAHIR_UL_FIQAH

- اسلام اور سیاسی نظریات (مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

https://archive.org/stream/Maktaba-Mufti-Taqi-Usmani-Sahib/Islam-Aur-Siyasi-Nazriyat#mode/2up

- اسلامی خلافت (مولانا زاہد الراشدی صاحب)

https://archive.org/details/20200731_20200731_1708

- اسلام، جمہوریت اور پاکستان (مولانا زاہد الراشدی صاحب)

https://archive.org/details/20200731_20200731_1722

- کتاب الخراج (امام ابو یوسفؒ)

https://ia803103.us.archive.org/20/items/kitab-ul-khraj-abu-yousuf-urdu/kitab-al-khraj-abu-yousuf-urdu.pdf

- مجلۃ الاحکام العدلیۃ

http://www.moj.ps/images/majallatalhkam.pdf

- فتاوی عالمگیری

https://archive.org/details/FatawaAalamgeeriVolume2Urdu_201607

https://ia800109.us.archive.org/1/items/BestUrduBooks117/FATAWA_ALAMGIRI_URDU_VOL_09.pdf

- یورپ کی تین معاشی نظام (مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب)

https://archive.org/details/EuropeKeTeenMuashiNizamMuftiRafiUsmaniAustralianIslamicLibrary

- اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

https://archive.org/details/IslamAurJadeedMaashiMasailByShaykhMuftiMuhammadTaqiUsmani

- **AAOFI** کے معاییر۔

English

http://www.iefpedia.com/english/wp-content/uploads/2017/12/Shariaa-Standards-ENG.pdf

في اللغة العربية

http://iefpedia.com/arab/wp-content/uploads/2017/12/Shariaah-Standards-ARB.pdf

- فقہ البیوع (مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

https://archive.org/details/FiqhUlBoyu/page/n45/mode/2up

- جدید تجارتی شکلیں شرعی نقطۂ نظر (قاضی مجاہد الاسلام قاسمی)

http://www.mediafire.com/file/r8rmtdwlppi55wp/Jadeed-Tijarti-Shaklain-Shari-Nuqta-e-Nazar.pdf/file

- جدید مالیاتی ادارے (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

https://archive.org/stream/JadeedMaliyatiIdaray/Jadeed-Maliyati-Idaray#page/n7/mode/2up

قانون، انٹرنیشنل لاء
(مکالمۂ مغرب کے تناظر میں)

قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

- عالمی مذہب

https://archive.org/download/islam-alaami-mazhab-hai/islam%20alaami%20mazhab%20hai.pdf

- مسلم پرسنل لاء کے شرعی اصول

https://archive.org/download/islam-alaami-mazhab-hai/muslim%20personal%20law.pdf

مولانا علی میاں صاحب

- اسلام اور مغرب

https://abulhasanalinadwi.org/books/islam%20aur%20magrib.pdf

- اسلام ایک تغیّر پذیر دنیا میں

https://abulhasanalinadwi.org/books/islam%20ek%20tagayyur%20pazeer%20duniya%20me.pdf

- اسلام مکمل دین، مستقل تہذیب

https://abulhasanalinadwi.org/books/islam%20mukammal%20deen%20mustaqil%20tehzeeb.pdf

- مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

https://abulhasanalinadwi.org/books/magrib%20se%20kuch%20saaf%20saaf%20batein.pdf

- معرکۂ ایمان و مادیت

https://abulhasanalinadwi.org/books/maarkae%20imaan%20wa%20maddiyat.pdf

- انسانیت کی رہنمائی میں اسلام کا کردار

https://abulhasanalinadwi.org/books/insaniyat%20ki%20rehnumai%20me.pdf

مفکرِ اسلام مولانا زاہد الراشدی صاحب

- اسلام اور انسانی حقوق

https://archive.org/download/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/

اسلام%20اور%20انسانی%20حقوق%20از%20علامہ%20زاہد%20الراشدی.pdf

- خطبہ حجۃ الوداع

https://archive.org/details/20200802_20200802_0456

- حدود آرڈیننس

https://archive.org/details/hudood-ordinance

استاد محترم مفتی تقی عثمانی صاحب

- اسلام اور دورِ حاضر کے شبہات اور مغالطے

https://archive.org/download/Maktaba-Mufti-Taqi-Usmani-Sahib/

Islam-Aur-Daur-i-Hazir-Kay-Shubhay-wa-Mughalitay.pdf

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب رحمہ اللہ

- اسلام کا قانون بین الممالک

https://archive.org/details/islam-ka-qanoon-bainan-mumamlik

-

- اداب القاضی

https://archive.org/download/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/Adab-Al-Qazi%20%281%29.pdf

- العولمۃ

https://archive.org/download/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/العولمہ.pdf

- محاضرات فقہ

https://archive.org/download/makka-fiqah-acadmy-k-fiqhi-faisle-1/MuhaziratEFiqhByShaykhDrMehmoodAhmadGhazir.a.pdf

مولانا اسماعیل ریحان صاحب

- نظریاتی جنگ کے اصول

https://archive.org/download/Nazriyati/Nazriyati%20Jang%20kay%20Usool.pdf

- نظریاتی جنگ کے محاذ

https://archive.org/details/20200801_20200801_1628

تحفظات اور انتقادات

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صمیم موضوع پر گفتگو ہو چکی، جدید دور کے چیلنجز کا بھی ذکر ہو چکا، نیز اس سمت میں روایتی علمائے کرام کی تحقیقی کاوشوں کا جائزہ بھی پیش کر دیا گیا۔ امید ہے کہ ذکر کردہ گزارشات کی بناء پر جدت پسندوں کے ان پروپیگنڈوں کا کھوکھلا پن اچھی طرح واضح ہو چکا ہوگا، جس کا شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

البتہ سابقہ گزارشات کے دوران بعض احباب نے روایتی سسٹم کے حوالے سے بعض تحفظات کا اظہار کیا۔ اس حوالہ سے یہاں چند اصولی باتیں ذکر کیے دیتا ہوں، اس کے بعد اگر کسی صاحب کو اعتراض ہو، تو دلیل اور شائستگی کی شرط پر مکالمے کیلئے خوش آمدید کہوں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ موجودہ روایتی نظام تعلیم کو ہم آئیڈیل نظام تعلیم نہیں سمجھتے، اس حوالے سے ہمارے بزرگوں کا یہ دوٹوک موقف شروع سے رہا ہے، کہ پاکستان بننے کے بعد ہمارا ایک جامع نظام تعلیم ہونا چاہیے تھا، جو نہ ہو سکا۔ خیر یہ مستقل موضوع ہے، یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ البتہ یہاں اس پہلو پر گفتگو کی ضرورت ہے، کہ موجودہ روایتی نظام تعلیم نے فکر و تحقیق کی دنیا میں دور حاضر کے تقاضوں کو پورا کیا ہے یا نہیں؟ سو اس کی وضاحت سابقہ معروضات کی روشنی میں ہو چکی۔

البتہ سوال یہ ہے کہ یہ نظام کس طرح اس سمت میں متکفل ہے؟ سو اس پہلو پر مختصر گفتگو کے ذریعہ غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عام طور سے جدت پسند طبقہ درس نظامی کی بابت اجمالی گفتگو کرکے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دیتا ہے، مثلا کہا جاتا ہے کہ اس میں قدیم کتابیں شامل نصاب ہیں، جن کا موجودہ دور میں کوئی ریلیونس نہیں ہے۔ لہذا آئے روز ہمارے دانشور نصاب کی اصلاح کے حوالے سے تجاویز پیش کرتے رہتے ہیں۔ سو واضح رہنا چاہیے کہ روایتی نظام تعلیم جن فنون اور مواد پر مشتمل ہے، وہ ایک باصلاحیت عالم بننے کیلیے ناگزیر ہیں، ان میں کمی کی گنجائش نہیں ہے۔ صرف، نحو، اور منطق جیسے فنون آلیہ سے لے کر اصول فقہ، اصول حدیث اور عقائد و کلام وغیرہ جیسے فنون اور تفسیر، حدیث اور فقہ تک سب ناگزیر ہیں۔ ان کے بغیر رسوخ فی العلم ممکن نہیں۔ البتہ ان فنون کی جدید تحقیقات میں ریلیونس کیلیے ظاہر ہے کہ معاصر فنون سے واقفیت ضروری تھی، سو اس سمت میں پیش رفت جاری ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ مثلا جدید فلکیات، جدید معیشت و تجارت کو شامل نصاب کیا جا چکا ہے۔ جو سوسائٹی میں متوسط کردار ادا کرنے اور متوسط دینی رہنمائی کرنے والے عالم کیلیے کافی ہیں۔ البتہ جدید نظام ہائے حیات میں اعلی درجے کی تحقیقات کیلیے ظاہر ہے کہ مزید اضافے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس حوالے سے پہلے یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہیے، کہ ہر عالم کیلیے محقق ہونا ضروری نہیں۔ عمومی ضرورت کے پیش نظر دینی رہنمائی اور ضروریات کیلیے متوسط درجہ کا عالم ہونا کافی ہے، جس کیلیے موجودہ نظام کافی حد تک صالح ہے۔ البتہ بعض افراد کیلیے ضروری ہے کہ وہ باقاعدہ اختصاصی نوعیت کی تحقیقی صلاحیتوں کے حامل

ہوں، اور آج کے جدید چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ سو اس کیلیے ضروری ہے کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد الگ سے تخصصات اور سپیشلائزیشن کی طرف جایا جائے، اس کیلیے ماضی قریب میں بڑے مدارس میں اعلی قسم کے مستقل تخصصات کا اجراء عمل میں لایا جا چکا ہے، ان تخصصات میں جدید طب، جدید معیشت و تجارت اور معاصر قانون وغیرہ پر معتدبہ مواد شامل نصاب ہے۔

اس کے علاوہ معاصر اسلوب اور ماڈرن ٹرم میں عرض اسلام اور دفاع مذہب کیلیے الگ تخصص قائم کیا جا چکا ہے۔ انہی تخصصات سے ہر سال درجنوں افراد تیار ہو رہے ہیں، جو سابق میں ذکر کردہ انڈسٹریز اور دیگر تحقیقی چیلنجز میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔یورپ اور امریکہ بلکہ مڈل ایسٹ اور سنٹرل ایشاء سے فضلائے کرام تخصص کرنے کیلیے پاکستانی مدارس کا رخ کرتے ہیں، یہاں سے تخصص کرنے کے بعد اپنے علاقوں میں کام کرنے والوں کی طویل فہرست ہے، امریکہ اور برطانیہ میں تحقیقی فورم اور اعلی اسلامی ادارے قائم کرنے والے انہی مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں۔

اس کے باوجود یہ کہنا بجا ہے کہ اس وقت سوسائٹی کو جتنی مقدار میں اعلی درجہ کے محققین اور معاصر اسلوب کے حامل علمائے کرام کی ضرورت ہے، اس درجہ کی کھپت کیلیے مزید تخصصات کی ضرورت ہے۔یہ بات کافی حد تک حقیقیت پسندانہ ہے، اس کے علاوہ شاید کوئی اور ضرورت بھی ہو، اس سے بھی انکار نہیں۔

البتہ اس سلسلے میں اس پہلو کو سامنے رکھنا چاہیے کہ جب بھی مدارس کو تجاویز سے نوازنے کیلیے لکھنے کی زحمت کی جائے، تو ساتھ میں علمائے کرام کے سماجی مسائل کو بھی ذہن میں رکھنا

چاہیے، یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ آپ ان لوگوں کو تجاویز دے رہے ہیں، جو سوسائٹی کی تھرڈ کلاس کی سہولیات سے بھی محروم ہیں۔ ان کے اسباب اور وسائل کا عالم یہ ہے کہ یوٹیلیٹی بلز اور بنیادی ضرورتوں کیلیے بھی انہیں ہزار پاپڑ بیلتے پڑتے ہیں۔
اس تناظر میں اگر سنجیدگی سے موجودہ روایتی سسٹم پر غور کیا جائے تو یہ ماننے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، کہ یہی وہ نظام ہے جس نے جدید سوسائٹی کے تحقیقی تقاضوں کیلیے افراد پیدا کیے ہیں۔ جدیدیت کا نعرہ لگانے والے نہ تو جدید تقاضوں سے نمٹنے اور ان کے حل کیلیے اسلامی تعلیمات کی روح کو رو بعمل لانے کے اہل ہیں اور نہ ہی ان کی پیش کردہ " تحقیقات" مین سٹریم میں قابل قبول ہیں۔ نیز انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ موجودہ سسٹم اور اس کے سماجی مسائل اور میسر وسائل کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو اس پر اعتراضات کرنے کے بجائے، اسے امت کیلیے نعمت عظمی اور غنیمت باردہ سمجھنے کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

واللہ تعالیٰ ھو الموفق والمعین !